بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

وہ ملک جو ایک طویل اور پیہم جد و جہد اور انمٹ قربانیوں کے بعد حاصل کیا گیا، جسکی خاطر لاکھوں مسلمانوں کو آگ اور خون کے طوفانوں سے گذرنا پڑا۔ ہزاروں عصمتوں کے چراغ بجھے اور لاکھوں معصوم زندگیاں اغیار کے ہاتھوں لٹ گئیں۔ غرض مسلمان زندگی کی ہر متاع اور عمر بھر کی پونجی اسکی راہ میں لٹا کر بھی مسرور و شاداں تھے کہ ؎

حاصلِ عمر نثارِ رہِ یارے کردم　　شادم از زندگیٔ خویش کہ کارے کردم

اب اگر کوئی بدبخت اور ناعاقبت اندیش اٹھے اور اسکی بنیادوں کو ہی ڈائنامیٹ کرنے اسکی دیواروں میں شگاف ڈالے، تو کیا اس کے اس غدارانہ جرم کو لمحہ بھر برداشت کیا جائیگا؟ کیا ایسا شخص قومی غدار کہلانے کا مستحق نہ ہوگا۔ جو اس مضبوط حصار میں نقب لگا کر قومی خودکشی کا مجرم بنے؟

امتِ مسلمہ کا وہ مضبوط اور آہنی حصار جس کے استحکام پر نہ صرف ہماری بلکہ رہتی دنیا تک سسکتی ہوئی انسانیت کا مدار ہے۔ اور جسے ہم اسلام اور ملتِ حنیفیہ کے پیارے نام سے تعبیر کرتے ہیں، کی خشتِ اوّل معمارِ اوّل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مبارک ہاتھوں رکھی گئی، اور تکمیل نوامیس فطرت کے سب سے بڑے علمبردار اور کامل و اکمل ہستی نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ہوئی، آپ نے دن کا سکھ، اور رات کا چین اس راہ میں قربان کر دیا۔ اس گھر کی تکمیل میں وہ مصیبتیں جھیلیں جو مخلوق میں سے کسی نے اس سے پہلے نہ سہیں — اوذیت فی اللہ مالم یوذ احد اوکما قال - اس کے معصوم اور پاکیزہ دل کی ہر دھڑکن اور ہر آرزو اس "حصار" کے استحکام اور مضبوطی سے وابستہ رہی کہ اب قیامت تک آنے والی مخلوق کی حقیقی فلاح و بقا اس "خدائی قلعہ" کی مضبوطی سے وابستہ تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقدس صحابہ سمیت اپنی زندگی، مال و جان، عزت و آبرو، گھر بار ملک و وطن، غرض سب کچھ اسی "اسلام" کی حفاظت و اشاعت اور مدافعت میں قربان کر دیا اور جس وقت وہ ذاتِ قدسی صفات اس عالمِ خاکی سے روپوش ہوئی تو دین کا یہ "قصر" ایک حسین و جمیل

کامل و مکمل مرقع کی شکل میں دنیا کے سامنے موجود تھا۔ اس میں ذرہ بھر خامی نہ تھی جس کی تکمیل و تعمیر کے لئے کسی دوسرے معمار کی ضرورت پڑے۔

ہر عمارت ستونوں، چھتوں اور در و دیوار سے عبارت اور اپنی مضبوط اور راسخ بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔ اسی طرح اسلام کی عظیم الشان عمارت بھی ان بنیادوں اور ستونوں پر قائم ہے۔ جسے ہم ارکان خمسہ (شہادتین، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج) کے نام سے جانتے اور پہچانتے ہیں۔ اور جسے خود حضورِ اقدسؐ نے دعائم الاسلام (اسلام کے ستون) سے تعبیر کیا۔ (ملاحظہ ہو عمدۃ القاری جلد ۱ ص ۱۲۱ بحوالہ مصنفہ عبدالرزاق) اگر ان بنیادی ستونوں میں سے ایک کو ہٹا دیا جائے یا ذرا سا ٹیڑھا کر دیا جائے تو ساری عمارت دھڑام سے گر جائے گی۔ جو بالآخر اس کے تمام مکینوں کی تباہی اور ہلاکت پر منتج ہو گی۔ اگر کوئی خرد باختہ شخص اس عظیم عمارت کی بنیادوں پہ ضرب لگاتا اور اسے اپنی جگہ سے ہلاتا ہے۔ تو عاقبت اندیشی یہی ہے کہ اس پناہ گاہ کے تمام باشندے اٹھ کر ان ہاتھوں کو توڑ دیں جو پوری ملت کے نقصان اور تباہی کا سبب بن رہے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ تمام ہاتھ بھی شل کر دئے جائیں جو پس پردہ اس "ملی چور" کی پشت پناہی کر رہے ہوں۔ یہ ایک بڑی اور سچی حقیقت ہے جو اسلام اور دینِ محمدی کی اہمیت، اسکی عظمت اور نزاکت کے بارہ میں خود حضورِ اقدسؐ نے ایک سیدھی سادھی مثال سے ذہن نشین کرا دی اور بار بار فرمایا جسے بے شمار صحابہ نے مختلف طرق سے نقل کیا۔

بنی الاسلام علیٰ خمس شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ والحج وصوم رمضان۔	اسلام کا یہ عظیم الشان کارخانہ پانچ ستونوں پر کھڑا کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسالتِ محمدی کا اقرار۔ نماز ادا کرنا۔ زکوٰۃ دینا۔ حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔
(عن عبداللہ بن عمرؓ۔ بخاری۔ مسلم۔ ترمذی۔ نسائی)	

کہیں ان ارکان کو دعائم الاسلام کہا گیا اور کہیں عماد کے لفظ سے ان کی اساسی حیثیت پر روشنی ڈالی گئی۔ خود قرآن مجید کے اکثر مضامین احکام و اوامر، نواہی قصص و آداب امثال و مواعظ کا مرکزی نقطہ بھی یہی ارکان پنجگانہ ہیں کہ ان پہ دین و آخرت اور غیب کا سارا عالم استوار ہے۔

پھر نہ صرف یہ کہ اس قصرِ دین کی بقاء ان ارکان کی مجموعی حیثیت پر موقوف ہے۔ بلکہ یہ سارے ارکان آپس میں ایسے مربوط اور وابستہ ہیں۔ کہ اگر ان میں ایک نہ ہو تو باقی تمام ارکان میں اضمحلال رونما ہو۔ اور پوری عمارت کا توازن برقرار نہ رہ سکے اگر ان میں سے ایک کی ضرورت و اہمیت بھی محسوس نہ ہو یا اسے فالتو سمجھ لیا جائے یا اسکی ہیئتِ اساسی میں تبدیلی کی سعی کی جائے خواہ وہ ایمان باللہ ہو یا نماز زکوٰۃ ہو یا حج و روزہ تو ایسا شخص اس پوری عمارت کا دشمن ہے کیونکہ اس قصرِ متین کا ہر جزء دیگر اجزاء و ارکان کو سنبھالے ہوئے ہے جس معمار نے ہدایاتِ ربانی کی روشنی میں یہ عمارت تیار کی اور اس کا نقشہ بنایا، اس نے ان ارکان کا یہ باہمی ربط و تعلق اور اسکی اہمیت بھی ان الفاظ میں جتلادی کہ:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربعٌ فرضھن اللہ فی الاسلام فمن جاء بثلاث لم یغنین عنہ شیئاً حتی یأتی بھن جمیعا الصلوٰۃ والزکوٰۃ وصیام رمضان و حج البیت۔ (ترجمان السنۃ بحوالہ احمد و طبرانی)

(ایمان لانے کے بعد) چار چیزیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اسلام میں فرض قرار دیا ہے نماز۔ زکوٰۃ۔ روزہ اور بیت اللہ کا حج جو شخص ان میں سے تین بھی ادا کرے وہ اس کے کام نہیں آسکتیں جب تک سب کے سب نہ کرے۔

ان چاروں ارکان میں زکوٰۃ بھی اتنی ہی اہم ہے جتنی کہ نماز (اور اس وجہ سے قرآن نے ہر جگہ اقیموا الصلوٰۃ کے بعد واٰتوا الزکوٰۃ کا حکم دیا۔) روزہ بھی ایسا ہی فرض ہے اور بنیادی عبادت ہے جیسا کہ حج۔

اگر کوئی شخص ایمان کا مدعی ہے۔ مگر نماز یا زکوٰۃ سے انکار کرتا ہے۔ یا اس خاکہ میں تبدیلی و ترمیم کی ناروا جسارت کرتا ہے۔ جو اس کے معمارِ اوّل نے ان عبادات کے لئے تیار فرمایا تو اسے اس قصرِ محمدی میں رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ اور نہ اس کا ایسا دعوی ایمانی قابلِ اعتنا ہے۔ خواہ وہ ہزار بار اس کے استحکام و تعمیر کی رٹ لگاتا رہے اور ہمارے اس دعویٰ کا ماخذ خود قرآن کریم، سنتِ رسول اور صحابہ کرام و خلفاءؓ راشدین کا طرزِ عمل ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ فخلوا سبیلھم۔ (توبۃ)

ان مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔ پس اگر وہ تائب ہو کر نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک لوگ توحید اور رسالت کا اقرار اور نماز و زکوٰۃ ادا نہ کریں تو مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان سے جنگ کرتا رہوں جب وہ ایسا کرنے لگیں تب وہ اپنے مال و آبرو کو مجھ سے محفوظ کرسکیں گے۔ (بخاری و مسلم)

پھر ان ارکان کے باہمی ارتباط کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ جب بنو ثقیف کے ایک وفد نے طائف سے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے کا ارادہ ظاہر کیا مگر اس شرط پر کہ اسلام کے ایک اہم رکن نماز سے ہمیں معاف رکھا جائے۔ تو حضورؐ نے بڑی سختی اور حقارت سے ان کی یہ درخواست ٹھکرا دی۔ اور فرمایا کہ: لاخیر فی دین لاصلوٰۃ فیہ (بھلا وہ دین ہی کیا جس میں نماز نہ ہو)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس مفہوم کو ان الفاظ میں ظاہر فرمایا:

من لم یزکّ فلا صلوٰۃ لہٗ۔ جو زکوٰۃ نہ دے اس کی نماز بھی قبول نہیں۔

(ترجمان السنۃ ص۶۵)

خلیفۃ الرسول سیدنا صدیق اکبرؓ نے بھرے مجمعِ صحابہ میں اعلان فرمایا کہ:

واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ۔ خدا کی قسم جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں فرق کریگا۔ (ان میں سے ایک کی تعبدی حیثیت سے انکار کرے گا۔) تو میں اس سے قتال کروں گا۔

عہدِ رسالت کے فوراً بعد جب بعض غیر راسخ الایمان قبائل۔ عبس و ذبیان۔ بنو کنانہ۔ غطفان اور بنو فزارہ نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کیا تو خلیفۃ المؤمنین سیدنا صدیقِ اکبرؓ نے اپنی ایمانی فراست کی بنا پر اس "باغیانہ" اور کافرانہ" جسارت کے مہلک اثرات اور نتائج کو فوراً بھانپ لیا کہ اگر اس وقت قصرِ محمدی کی بنیادوں پر یہ پہلی کاری ضرب برداشت کر لی گئی۔ تو آگے چل کر بدباطن منافقین، زائغین اور محرفین کے ہاتھوں یہ پوری عمارت پیوندِ خاک ہو کر رہ جائے گی۔ (ولا فعل اللہ کذلک الی یوم القیامۃ) حضرت صدیقؓ نے جرأتِ ایمانی سے کام لیکر تلوار نیام سے نکالی اور ایک خونریز جنگ کے بعد اس فتنہ کو تہ خاک کر دیا۔ جزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین۔

حضرت صدیقؓ کو زکوٰۃ یا اس کے تعبدی حیثیت سے انکار کرنے والوں کے اقدام

کے کفر و ارتداد ہونے میں ذرہ بھر تردد نہ ہوا۔ اور یہ اس لئے کہ بقول امام العصر حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری علیہ الرحمۃ:

ان الایمان اسم لالتزام کل الدین فمن فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ فکانہ لم یومن بالکل ومن لم یومن بالکل فھو کافر قطعاً (فیض الباری ص۱۰۱)

بنا بریں کہ ایمان نام ہے پورے دین کے التزام کا۔ پس اگر کوئی نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کرتا ہے۔ گویا وہ پورے دین پر ایمان نہیں لایا اور جو پورے دین پر ایمان نہ لایا وہ شخص قطعی کافر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی جب اندازہ ہوا کہ ان لوگوں کی جسارت محض حکومت سے بغاوت نہیں بلکہ سرے سے دین کے ایک اہم رکن کا انکار یا اس میں تحریف اور غلط تاویل کرنا ہے جس کے تباہ کن اثرات پورے دین پر پڑ سکتے ہیں تو ان کا سینہ بھی اس بارہ میں کھل گیا اور نہ صرف حضرت فاروق اعظمؓ بلکہ تمام صحابہ نے حضرت صدیقؓ کا قولاً و عملاً ساتھ دیا اور اس طرح ایک رکن اسلام (زکوٰۃ) کی قطعیت میں صحابہ کا اجماع منعقد ہوا ——— اور ایسا اجماع جس کے نفاذ میں مخالفین کا خون بہانے سے بھی دریغ نہیں کیا گیا۔

زکوٰۃ کے اس اقدام کے اسباب و عوامل کی تلاش میں ہمیں یہ بات بھی مل جاتی ہے کہ منکرین زکوٰۃ نہ صرف سیدنا صدیق اکبرؓ کو زکوٰۃ دینے کے مخالف تھے۔ بلکہ اپنی ایک من گھڑت رائے اور نظریہ کی بناء پر زکوٰۃ کو صرف ایک ٹیکس سمجھنے لگے تھے اور اس طرح اس کی عبادتی حیثیت سے انکار کر رہے تھے۔ محدث جلیل علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

وانما زعموا ان الزکوٰۃ جبایۃ مالیۃ کما یجبی السلطان من الرعایا جبایات من جہات فکانت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی عہدہ واذا ولینا نحن ولاۃ منا سقطت وبقیت کسائر الجبایات علی رأی الوالی (فیض الباری ص۱۰۹ ج۱)

منکرین زکوٰۃ کا گمان تھا کہ زکوٰۃ ایک مالی ٹیکس ہے۔ جیسا کہ بادشاہ اپنی رعایا سے کئی طرح کے ٹیکس وصول کرتا ہے۔ پس حضورؐ کے زمانہ میں تو اس ٹیکس کی وصولی حضورؐ کا حق تھا۔ اور جب ہم نے اپنوں میں سے والی اور حاکم چن لئے تو زکوٰۃ ہم سے ساقط ہو گئی۔ اور دیگر ٹیکسوں کی طرح اب زکوٰۃ کا معاملہ بھی حاکم کی رائے پر ہے ———

ٹھیک چودہ سو سال بعد قرن اوّل کے مانعین زکوٰۃ کا یہی استدلال اور ارکان اسلام سے بغاوت کا اعادہ ہے جو آج اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (ادارہ تحقیقات اسلامیہ) کے سربراہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور اس کی لادینی ریسرچ و تحقیق کی صورت میں ہمارے سامنے ہو رہا ہے۔ عہد حاضر کے ان نام نہاد محققین نے آج تمام ان "جاہلی نظریات" کو دجل و تلبیس اور تحریف و تاویل کے حربوں سے مسلح ہو کر اسلام کی جدید تعبیر کے روپ میں دوبارہ پیش کر دیا ہے۔ جن کو اسلام نے سختی سے غلط ٹھہرایا اور جسے اس کے پیغمبر اعظمؐ نے قدموں کے نیچے پائمال کیا، جاہلیت اولیٰ کے منحوس دیو کی وہی روح بد ہے۔ جو کبھی مرزا غلام احمد قادیانی کے بھیس میں ظاہر ہوتی ہے اور کبھی غلام احمد پرویز کا روپ دھار لیتی ہے۔ اور کبھی ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور ان جیسے محققین اور

سلہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن فرماتے ہیں: "معاشرہ کی ضروریات کے لئے زکوٰۃ کی موجودہ شرح کافی نہیں حکومت کو اس میں اضافہ کا حق حاصل ہے۔ (فکر و نظر اکتوبر ۱۹۶۴ء) پی پی اے کے نمائندہ کو اپنے انٹرویو میں بتایا۔ قرآن مقدس میں مسلمانوں پر مملکت کو صرف ایک ہی ٹیکس لگانے کا اختیار دیا گیا ہے۔ اور وہ زکوٰۃ ہے۔ یہ ٹیکس بنیادی طور پر اس لئے وضع کیا گیا تھا کہ اسے مملکت کی مختلف ضروریات پوری کرتے ہوئے مسلم معاشرہ کی سماجی ترقی بلکہ مملکت کی دفاعی اور دیگر ضروریات سول سروس ٹرانسپورٹ اور بیرونی قرضے وغیرہ پر بھی لگایا جائے۔ الخ"

کیا خوب فرمایا ڈاکٹر صاحب نے۔ خدا نے تو قرآن میں زکوٰۃ کے خرچ کے لئے مصارف ہشتگانہ مخصوص فرمائے، رسولؐ نے اس کے نصاب اور مقادیر متعین کئے۔ اور اس کے تقسیم و خرچ میں اتنا اہتمام برتا کہ ایک بار جب ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زکوٰۃ کے مال میں سے کچھ دینے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا: "اے شخص اللہ تعالیٰ نے مال زکوٰۃ کی تقسیم میں کسی انسان کو بلکہ خود پیغمبر تک کو خود اختیار نہیں دیا ہے۔ بلکہ اس کی تقسیم خود اپنے ہاتھ میں رکھی ہے۔ اور اس کے آٹھ مصارف بیان کر دئے ہیں۔ اگر تم ان آٹھ مصارف میں داخل ہو تو میں تم کو دے سکتا ہوں۔ (ورنہ نہیں)۔ ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ۔

پھر یہ بات کتنی مضحکہ خیز ہے۔ کہ "اسلام میں زکوٰۃ کے علاوہ ملکی ضروریات کے لئے کوئی اور آمدنی مقرر نہیں کی گئی" آخر ڈاکٹر صاحب اپنے محقق کے بارہ میں یہ بات نادانی پر محمول کی جائے یا تجاہل عارفانہ پر۔ اسلام نے ایک اسلامی ریاست کے مصارف اور ضروریات کے لئے بے شمار ذرائع متعین فرمائے ہیں۔ آمدنی کا ایک ذریعہ خراج ہے۔ جو غیر مسلموں کی ان اراضی سے لیا جائے گا جس پر مقابلہ یا صلح کے بعد مسلمانوں کا تسلط قائم ہوا ہو اور جو زمین کی پیداوار، زرخیزی اور وسائل آبپاشی کی سہولت کو ملحوظ رکھ کر پیمائش یا بٹوارے

(باقی اگلے صفحہ پر)

مغرب زدہ ڈھانچوں میں جلوہ گر ہو جاتی ہے۔ اور پھر تمام فتنہ سامانیوں کے ساتھ اسلام کے ایک ایک رکن اور ایک ایک اساس پر حملہ آور ہوتی ہے۔ اپنے وقت کے شیطانی ذرائع اور وسائل اسکی پشت پر ہوتے ہیں۔ کبھی اس کا وار رسالت محمدی کی بنیاد "ختم نبوت" پر ہوتا ہے تو کبھی آپ کی سنت کی تشریعی حیثیت اور منصب رسالت پر، کبھی تجدد اور نئی روشنی کے نام پر مسلمانوں کے "پرسنل لاز" کو مسخ کیا جاتا ہے۔ تو کبھی ظاہری ترقی اور مغربیت کی چمک دمک سے

(حاشیہ ص۔۔) کے طریقہ پر لگایا جائے گا۔ امام ابو یوسفؒ کے الفاظ میں اسکی وصولی کے لئے وہ افسر مقرر ہوں گے جو فقیہ، عالم، پاکباز، منصف مزاج، متدین، اور خود رائی سے اجتناب کرنے والے ہوں۔

ایک ذریعہ جزیہ ہے جو غیر مسلم اہل ذمہ سے وصول ہو گا۔ اور اسلامی ریاست ان کے شہری حقوق اور مال و جان کی محافظ ہو گی۔ اس طرح غنیمت کا مخصوص حصہ جو غیر مسلموں سے جنگ کے دوران قیدیوں اور مال و دولت کی صورت میں حاصل ہو گا۔ فئے جو دشمن سے بغیر جنگ و جدال کے مسلمانوں کے ہاتھ آئے گا۔ معادن اور رکاز۔ مدفون خزانہ یا معدن کا پانچواں حصہ بھی بیت المال میں داخل ہو گا۔ اس طرح لگان، اجارہ یا ٹھیکہ کی آمدنی کہ زمین کا کوئی قطعہ کسی کاروبار کیلئے کسی شخص کو اس شرط پر دے دیا جاتا ہے۔ کہ وہ اس کے منافع میں سے ایک مخصوص حصہ بیت المال میں داخل کرے گا۔ اس کے علاوہ عشر کی شکل میں زمین پر محصول یعنی پیداوار کا ۱/۱۰ حصہ یا دوسری قسم اراضی پر نصف العشر یعنی ۱/۲۰ حصہ جس میں کمی یا زیادتی کا اختیار نہیں اور جسکے مصارف اور مقدار بھی متعین اور معین ہے۔ ان ذرائع کے علاوہ غیر ملکی درآمد پر محصول (امپورٹ ڈیوٹی) جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لگایا گیا جب کہ دوسرے ممالک مسلمان تاجروں کے اموال پر اس قسم کی ڈیوٹی لگانے لگے اگر ایک اسلامی حکومت واقعی اسلامی بنیادوں اور خطوط پر قائم ہو۔ اسلامی نظام کا احیاء اور نفاذ کرتی ہو۔ اور محاصل و مصارف میں قرآن و سنت کی ہدایات کی سختی سے پیروی کرتی ہو تو ایسی حکومت مذکورہ اشیاء کے علاوہ دوسرے محاصل اور ٹیکس کسٹم ڈیوٹی وغیرہ بھی لگا سکتی ہے۔ فقہائے اسلام نے تصریح کر دی ہے کہ ملکی دفاع فوجی قوت کے استحکام پولیس کے اخراجات یا رفاہی امور نہروں کی کھدائی پلوں کی تعمیر قیدیوں کی رہائی وغیرہ کے لئے مقررہ اور ہنگامی دونوں قسم کے محاصل وصول کئے جا سکتے ہیں۔ (ہدایۃ کتاب الکفالۃ اور دیگر کتب فقہ) نہ یہ کہ زکوٰۃ کی ہیئت سالمہ کو بدل کر ٹیکس بنا دیا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے مقرر و معین مصارف کے علاوہ اسے دیگر ضروریات پر خرچ کیا جائے ۔۔۔ (س ے)

اسلام کے پورے معاشرتی نظام، طلاق، نکاح، عدۃ، میراث وغیرہ میں دست درازیاں کی جاتی ہیں۔ اس صدی میں اس طاغوتی روح نے مسلمانوں کے پورے اقتصادی ڈھانچہ، تجارت اور صنعت کو اسی جاہلی نظام۔ سود، قمار، حرام کاروبار، معاشی دستبرد اور ظلم وتعدی کی بنیادوں پر کھڑا کر دیا ہے۔ اور سارے عالم اسلام کی ہیئت حاکمہ اور قوت نافذہ کو اپنے ڈگر پر ڈال دیا ہے۔ اس کا منحوس سایہ مسلمانوں کے پورے نظام اخلاق وکردار تمدن اور طرز معاشرت پر پڑ چکا ہے۔ اور اس کی جگہ مغربی خودغرضی، نفس پروری، مادہ پرستی، جنسی ہیجان، اور اباحیت نے قدم جمائے ہیں۔ اور بدأ الاسلام غریباً وسیعود غریبا کا منظر سامنے ہے۔

ان حالات میں اگر ملت مسلمہ لمحہ بھر بھی غفلت اور مداہنت یا رواداری سے کام لے اور اسلام کی ایک ایک بنیاد اور اصول پر شیطنت کا یہ وار سہتی رہے۔ تو ظاہر ہے کہ اس کے نتائج کتنے مہلک اور کتنے تلخ ہوں گے؟ پھر معلوم نہیں یہ سلسلہ آخر کہاں جا کر ختم ہوگا۔ اگر آج زکوٰۃ کی شرعی حیثیت کو غتربود کیا گیا کہ زکوٰۃ کی موجودہ شرح حکومت کے مصارف کے لئے کافی نہیں، تو کل نمازوں کی تعداد اور مقدار میں بھی یہ کہہ کر قطع وبرید کی جائے گی کہ آج کل کی مصروف زندگی میں اس پنج وقتہ ضیاع وقت" (نارش بدہن) کی فرصت کہاں! اور یہ کہاں کی دانشمندی ہے۔ کہ اس صنعتی اور مشینی دور میں مہینے کے پورے تیس ۳۰ دن روزے رکھ کر ملک کی مادی حیثیت کو نقصان پہنچایا جائے۔؟ اور حج وزیارت" کے نام پر ہزاروں میل کا سفر کر کے ملک اور قوم کا وقت اور ریاست کا زرمبادلہ" ضائع کرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔؟ — والعیاذ باللہ العظیم۔ اگر آج سود کے حلال ٹھہرائے جانے کو گوارا کر لیا جائے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ کل زنا اور خمر کو بھی حلال نہ کہنا پڑے۔ اور اگر آج مسلمانوں کے معاشرتی معاملات میں تحریف وتبدیل پر صبر کر لیا جائے تو کونسی ضمانت ہے۔ کہ کل 'عبادات' اور اعتقادیات تک سے ہاتھ نہ دھونے پڑیں —؟

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا اس سے دیگر ارکان کے علاوہ زکوٰۃ کی بنیادی اور تعبدی حیثیت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور اس قماش کے دیگر ثقافتی اور ریسرچی "ارباب فکر ونظر" کے تحقیقات کی زد کہاں جا کر پڑتی ہے۔

دراصل جو قلوب اسلام کے بارہ میں سوء ظن سطحیت۔ یا حسد وعناد کے شکار ہیں۔ اور

اسلام کو موجودہ "جاہل دور" کے لئے ایک رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ بعض سیاسی اور مادی اغراض کی وجہ سے نہ تو کھل کر اسلام کے "دینِ ابدی" اور ضابطہ حیات ہونے کا انکار کر سکتے ہیں۔ اور نہ اندرونی نفاق کی وجہ سے اسلام کی جامعیت اور دینِ حنیفی کی سچائیوں کا اقرار۔ اس گومگو حالت نے انہیں تضاد، تعارض اور تذبذب و نفاق کے ایک عجیب مضحکہ خیز مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔ کبھی وہ سرمایہ دارانہ نظام پر اسلام کا ٹھپہ لگائیں گے تو کبھی کیمونزم اور مارکسیت کو دنیا کا کامیاب مذہب قرار دیں گے۔ کبھی کہیں گے کہ سائنس و حکمت اور دین و مذہب کا کوئی جوڑ ہی نہیں ہو سکتا۔ کبھی کہیں گے کہ اسلام کا مقصد ہی صرف سائنسی ترقی اور مادی عروج و ارتقاء ہے۔ کبھی سرے سے سنتِ رسولؐ کے حجت ہونے سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔ تو کبھی ہر زمانہ کے ماؤف یا استشراق زدہ دل و دماغ کے اجتہادات کو بھی "سنتِ جاریہ" کا نام و مقام دیں گے۔ گویا ان کی کیفیت ٹھیک اس ارشادِ خداوندی کی مصداق ہے:

فکانّما خرّ من السماء فتخطفہ	گویا وہ آسمان سے گر پڑا پھر اسے پرندے
الطّیر او تھوی بہ الریح فی	اچک لیتے ہیں۔ یا اسے ہوا اڑا کر کسی دور
مکان سحیق ۔ (حج پ۱۷ ع ۱۱)	جگہ میں پھینک دیتی ہے۔

پھر یہ لوگ اپنی نت نئی "اختراعات" اور تحریفات کے اثبات کے لئے جو دلائل و براہین پیش کرتے ہیں، کوئی عقلِ سلیم اور قلبِ مؤمن تو اسے کیا قبول کرے گا، خود ان کا ضمیر بھی ان کی ہنسی اڑاتا ہے۔ علم و تحقیق کی دنیا اس تحریف و تلبیس پر سر پیٹنے لگتی ہے۔ مگر تحقیق و ریسرچ کے یہ دعویدار پوری ڈھٹائی سے اپنے تبحر و تعمق کا شور مچاتے رہیں گے۔ اور ہر طرح دین کو بازیچۂ اطفال بناتے رہیں گے۔

اگر ملتِ مسلمہ کو اسلام کے "شجرہ طوبیٰ" کے سایۂ عاطفت اور "قصرِ محمدیؐ" کی پناہ میں رہنا ہے اور اسکی ہر دیوار اور بنیاد کو اعداء و اغیار کی نقب سے بچانا ہے، تو ضرورت ہے کہ اس ملت کا نام لیوا خواہ عامی ہو یا عالم جاہل ہو یا مقتداء، اپنے تمام اغراض اور مصلحتوں سے دستبردار ہو کر سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی فراست اور فاروقِ اعظمؓ کی جرأت سے کام لیکر میدان میں کود پڑے۔ اور جو زبان و قلم اور جو ہاتھ بھی اس قصرِ محمدیؐ میں شگاف پیدا کرنے کی سعی کرے اسے ہمیشہ کیلئے خاموش اور مفلوج کر دیا جائے۔ کہ بقول کسے "یہ وقت بدر و حنین کا ہے جمل و صفین کا نہیں"۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔ واللہ فی عونکم مادمتم فی عون الاسلام۔

سمیع الحق